اسلامی ریاست میں معاشرتی بہبود

کے کاموں کے لئے وسائل کی فراہمی

از : ڈاکٹر اسرار احمد

اسلامی ریاست میں معاشرتی بہبود کے کاموں کے لئے وسائل کی فراہمی کا مسئلہ بظاہر تو بہت سادہ اور آسان نظر آتا ہے لیکن چونکہ اس کا تعلق لامحالہ حکومت کے پورے نظامِ آمد و خرچ سے ہے' لہٰذا اس کے ضمن میں کم از کم یہ ضرور دیکھنا ہو گا کہ اسلامی نظام میں حکومت کے لئے آمدنی کی مدیں کون کون سی ہیں اور آیا ان جملہ مدوں سے وصول شدہ آمدن کو حکومت بلا تخصیص و تحدید جملہ انواع کے مصارف میں صَرف کر سکتی ہے' یا ان کے صَرف کے ضمن میں کوئی تخصیص و تحدید بھی موجود ہے؟ اور اگر ہے تو پھر معاشرتی بہبود کے کاموں پر کن کن مدات سے حاصل شدہ رقوم خرچ کی جا سکتی ہیں؟

اس سلسلے میں یہ بات خواہ تحصیلِ حاصل ہی کے زمرے میں آئے لیکن اپنی اہمیت کے پیش نظر اس قابل ہے کہ اس کا ضرور ذکر کر دیا جائے --- کہ جہاں ایک طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے پاس دورِ نبوی ﷺ اور خلافتِ راشدہ کے زمانے کے جو نظائر موجود ہیں' وہ نہ صرف یہ کہ بہت مختصر ہیں بلکہ اس دور سے متعلق ہیں جب کہ ابھی نہ تو ریاست کا موجودہ گمبھیر و ہمہ گیر تصور ہی وجود میں آیا تھا اور نہ ہی حکومت کے مختلف شعبوں کی اتنی وضاحت کے ساتھ تشکیل ہوئی تھی جتنی کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ دورِ جدید کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اجتہاد کے دروازے پر دستک دی جائے اور کمال حزم و احتیاط کے ساتھ استدلال و استنباط کے ذریعے اُس دور سے حاصل شدہ رہنمائی کو دورِ حاضر کے لئے کار آمد بنایا

جائے' اس لئے کہ اس میں ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ کم از کم خلافتِ حضرت فاروقِ اعظم ؓ اور خلافتِ حضرت عثمان ؓ کے دور میں معاملاتِ حکومت نے اتنی وسعت اختیار کر لی تھی کہ دورِ جدید کی ریاست (State) اور حکومت (Government) کے تمام شعبے خواہ درجۂ جنین (Embryonic Stage) ہی میں سہی' بہرحال وجود میں ضرور آ گئے تھے۔ چنانچہ اُس دور کے نظائر سے دورِ جدید کی ہمہ گیر ریاست اور اس کے انتظام و انصرام کی ذمہ دار ہمہ جہتی حکومتی مشینری کے پورے ڈھانچے کی تخریج ہو سکتی ہے —— وہاں دوسری طرف یہ بھی نہایت ضروری و لابدی ہے کہ اگر واقعتاً اسلام ہی کو رہنمائی اور امامت کے منصب پر فائز کرنا ہے تو اس امر کے لئے پوری خوشدلی اور وسعتِ قلبی کے ساتھ تیار رہنا چاہئے کہ حکومت کے آمد و خرچ کے پورے نظام کو ادھیڑ کر بالکل نئی بنیادوں پر از سرِ نو تعمیر کیا جائے۔ اس لئے کہ کسی جزوی پیوند کاری سے نہ صرف یہ کہ اصل مطلوب حاصل نہ ہو سکے گا بلکہ اندیشہ ہے کہ "آدھا تیتر آدھا بٹیرا" قسم کا یہ نظام موجودہ نظام سے بھی زیادہ ناکام ثابت ہو اور اس سے خواہ مخواہ کی بدنامی دین و مذہب کے حصے میں آئے!

آگے بڑھنے سے قبل ایک اور اصولی بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے اور وہ یہ کہ اسلامی ریاست نہ تو صرف ایک "Welfare State" ہے کہ اس کے سامنے اپنے شہریوں کی دنیوی فلاح و بہبود کے سوا اور کوئی بلند تر نصب العین ہی نہ ہو —— نہ ہی وہ صرف ایک "Ideological State" ہے' بایں معنیٰ کہ اسے صرف اپنے مخصوص نظریئے ہی کی اشاعت سے بحث ہو اور اس سے کوئی دلچسپی نہ ہو کہ "مردہ دوزخ میں جائے یا بہشت میں!" یعنی اس کے شہری سکھ چین سے بھی بہرہ ور ہوتے ہیں یا نہیں؟۔ بلکہ وہ ان دونوں تصورات کی جامع ہے' اس لئے کہ اس کے پیش نظر اصل مقصد تو دنیا میں اسلام کی سربلندی یا قرآنی الفاظ میں : لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ! " ہے' یعنی :"تاکہ غالب کر دے اس کو سب ادیان یا کل

نظامِ زندگی پرا" یا حضرت مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں یہ کہ : "اللہ کی مرضی جیسے آسمان پر پوری ہوتی ہے ویسے ہی زمین پر بھی پوری ہو!" لیکن ساتھ ہی اسلامی ریاست اپنے جملہ شہریوں کی تمام بنیادی ضروریات کی کفیل بھی ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ "کفالتِ عامہ" کا تصور انسانی تاریخ کے دوران پہلی بار خلافتِ راشدہ ہی کے زمانے میں سامنے آیا ـــ گویا کہ جہاں مقدم الذکر چیز کو اسلامی ریاست کا "نصب العین" قرار دیا جاسکتا ہے وہاں مؤخر الذکر چیز بھی کم از کم اس کے اہم ترین مقاصد میں ضرور شامل ہے!

اب آیئے کہ ہم دیکھیں کہ اسلامی ریاست میں حکومت کی آمدنی کی مدیں کون کون سی ہیں :

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ؒ نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" (شائع کردہ ندوۃ المصنفین، دہلی) میں اسلامی حکومت کی آمدنی کی مدات کا بہت عمدہ خلاصہ دیا ہے، جس کی رو سے اسلامی حکومت کو کل ۱۲ مدوں سے آمدنی ہو سکتی ہے : ۱۔ عُشر، ۲۔ زکوٰۃ، ۳۔ صدقات، ۴۔ خراج، ۵۔ جزیہ، ۶۔ فَے، ۷۔ خُمس، ۸۔ عشور، ۹۔ کراء الارض، ۱۰۔ ضرائب، ۱۱۔ وقف، ۱۲۔ اموالِ فاضلہ ـــ جن کی "مختصر تشریح" حسب ذیل ہے :

۱۔ عُشر : مسلمانوں کی مملوکہ اراضی کی پیداوار میں سے وصول شدہ حصہ جو فطری طور پر سیراب شدہ زمینوں (یعنی دریا کے کناروں یا صرف بارش سے سیراب ہونے والے بارانی رقبوں) کی کل پیداوار کے ۱/۱۰ اور مصنوعی ذرائع آبپاشی (یعنی کنوؤں اور نہروں وغیرہ) سے سیراب کی جانے والی زمینوں کی کل پیداوار کے ۱/۲۰ کے حساب سے وصول کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ یہ شرح زکوٰۃ ہی کی طرح معین ہے اور اس میں ردوبدل نہیں کیا جاسکتا، البتہ نہری زمینوں سے آبیانہ وصول کیا جاسکتا ہے، جس کی کوئی شرح معین نہیں اور ظاہر ہے کہ مصنوعی آبپاشی کے اخراجات کے پیش نظر ہی ایسی زمینوں کا عشر نصف رکھا گیا ہے۔

۲۔ زکٰوۃ : مسلمانوں کے اموالِ نقد' اموالِ تجارت اور مویشیوں وغیرہ پر معین نصاب اور شرح کے حساب سے وصول ہونے والی آمدنی زکٰوۃ کہلاتی ہے۔ اس کی شرح بھی غیر مبدل ہے۔ البتہ اسے انفرادی طور پر صرف کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ لازماً اسلامی حکومت ہی کو ادا کی جاتی ہے۔

۳۔ صدقات : مسلمان زکٰوۃ کے علاوہ اپنی آزادانہ مرضی سے خیر کے کاموں کے لئے جو کچھ دیں وہ صدقات شمار ہوتے ہیں۔ ان کو اگر لوگ نجی طور پر صرف کرنا چاہیں تو ایسا بھی کر سکتے ہیں' لیکن اگر وہ پسند کریں تو یہ رقوم بھی حکومت کے سپرد کر سکتے ہیں تاکہ وہ انہیں اجتماعی نظم کے تحت صرف کرے۔ اس کی کوئی مقدار معین نہیں بلکہ اس کے ضمن میں عمومی رہنمائی اور تشویق و ترغیب کے لئے فرمادیا گیا کہ ہر شخص کے پاس جو کچھ زائد از ضرورت ہے وہ اسے اس مد میں صرف کر دینا چاہئے۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۱۹ میں فرمایا : "يَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْو" (وہ پوچھتے ہیں کتنا خرچ کریں؟ کہہ دو جو بھی فاضل ہے!)

۴۔ خَراج : غیر مسلموں کی مملوکہ اراضی سے حاصل ہونے والی سالانہ مالگزاری کا نام خراج ہے اور اس کی کوئی شرح معین نہیں۔ حکومتِ وقت حسبِ حالات اس کا تعین کر سکتی ہے!

۵۔ جزیہ : غیر مسلموں پر جو سالانہ ٹیکس عائد کیا جائے وہ جزیہ ہے اور خراج کی طرح اس کا بھی نہ کوئی معین نصاب ہے نہ مقرر شرح' بلکہ یہ بھی حسب حالات گھٹایا اور بڑھایا جا سکتا ہے!

۶۔ فَے : حکومت کو غیر اقوام سے جو کچھ بغیر جنگ کے ہاتھ آئے وہ فَے ہے۔

۷۔ خُمس : کے معنی ہیں پانچواں حصہ (۱/۵) اور یہ اسلامی حکومت میں حسب ذیل ذرائع سے حاصل ہوتا ہے۔ i) اموالِ غنیمت کا ۱/۵ یعنی ان اموال کا پانچواں حصہ جو دشمنوں سے جنگ کے نتیجہ میں ہاتھ آئیں اور ii) معدنیات اور زمینوں کا

۱/۵ جو لوگوں کی مملوکہ اراضی سے بر آمد ہوں۔

۸۔ عشور : در آمد اور بر آمد کئے جانے والے سامان پر عائد شدہ محصول (duty) جو مسلم اور غیر مسلم سب پر عائد ہو سکتے ہیں اور جن کی کوئی مقرر و معین شرح نہیں ہے!

۹۔ کراء الارض : یعنی حکومت کی مملوکہ اراضی (State Lands) سے حاصل شدہ آمدنی!

۱۰۔ ضرائب : وہ ٹیکس جو رفاہ عامہ (Public works) کے ضمن میں یا حکومت کی وقتی اور ہنگامی ضرورتوں کے لئے صاحب ثروت لوگوں پر عائد کئے جائیں۔ ان کا بھی کوئی تعین نہیں ہے اور حکومت وقت کو ان کے ضمن میں پورا پورا اختیار حاصل ہے!

۱۱۔ وقف : مذہبی اوقاف کی آمدنی بھی اسلامی حکومت ہی کی تحویل میں آتی ہے!

۱۲۔ اموال فاضلہ : یعنی (i) سرکاری زمینوں سے نکلنے والی معدنیات (ii) لاوارث شہریوں کی متروکہ جائیداد یا اموال (iii) کسی باغی یا مرتد کا ضبط شدہ مال (iv) لُقطہ یعنی گری پڑی چیزیں جن کا کوئی دعویدار نہ ہو (v) لاوارث مقتول کی دیت کی رقوم!

دورِ خلافتِ راشدہ کے بارے میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اس میں حکومت کے مختلف شعبے آج کی طرح اتنی وضاحت کے ساتھ علیحدہ علیحدہ معین نہ تھے گویا اس دور کی ریاست اور حکومت کو عہد جدید کے مقابلے میں درجۂ جنین (Embryonic Stage) میں قرار دیا جا سکتا ہے۔ تاہم بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا درجہ کامل جنین (Full Embryo) کا ضرور تھا' اور عہدِ جدید کی جملہ ضروریات کے لئے ہمیں وہاں سے اساسی رہنمائی بہرحال مل سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں پوری آبادی کا اندراج رجسٹروں میں کر

لیا گیا تھا اور فوجی' تعلیمی اور دینی خدمات اور حکومت کی ذمہ داریوں کے ضمن میں وظائف کے ایک وسیع نظام کے علاوہ پوری مسلمان آبادی کے لئے انفرادی وظائف کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ اس لئے کہ اُس دور میں ہر مسلمان کو ایک ریزرو فوجی (Reserve Soldier) کی حیثیت حاصل تھی جسے کسی بھی وقت فوجی خدمات کے لئے طلب کیا جا سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے لئے کاشت کاری اور زمینداری ممنوع تھی۔

بہرحال جہاں تک متذکرہ بالا بارہ مدوں سے حکومتِ اسلامی کو حاصل شدہ آمدنی کے خرچ کا تعلق ہے' اسے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ مدیں جن سے حاصل شدہ آمدنی کے صرف کی مدیں معین ہیں اور دوسرے وہ مدیں جن سے حاصل شدہ آمدنی کے خرچ کی مدیں معین نہیں ہیں بلکہ حسب ضرورت معین کی جا سکتی ہیں۔ معین مصارف سے مراد وہ "مصارفِ ثمانیہ" یعنی خرچ کی آٹھ مدیں ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں سورۂ توبہ کی آیت ۶۰ میں آیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾

"زکوٰۃ و صدقات حق ہے مفلسوں کا' اور محتاجوں کا' اور زکوٰۃ و صدقات کے کام پر مقرر کئے جانے والوں کا' اور جن کے دلوں کو نرم کرنا مقصود ہو ان کا' اور گردنوں کے چھڑانے کے لئے (یعنی غلاموں اور مقروضوں کی رستگاری کے لئے) اور تاوان کے بوجھ تلے آئے ہوؤں اور اللہ کے راستے میں (جان کھپانے والوں کے لئے) اور مسافروں کا۔ یہ مقرر و معین ہے اللہ کی جانب سے' اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور کامل حکمت والا ہے!"

جبکہ غیر معین مصارف میں دورِ جدید کی وسیع منظم حکومت کے جملہ شعبوں (خواہ وہ

سول گورنمنٹ سے متعلق ہوں خواہ دفاع اور فوج سے) کے مصارف اور رفاہ عامہ (Public works) کے جملہ اخراجات شامل ہوں گے! — اسلامی حکومت کو حاصل ہونے والی کل آمدنی میں سے عشر' زکوٰۃ' صدقات' خمس اور اوقاف کی مدوں سے حاصل ہونے والی کل کی کل آمدنی اور عشور یعنی درآمدی و برآمدی Duty میں سے جو مسلمانوں سے حاصل ہو "مصارفِ ثمانیہ" کے لئے وقف ہیں' جبکہ بقیہ تمام مدات سے حاصل شدہ آمدنی غیر معین مصارف کے لئے ہے۔

موضوع زیر بحث کے اعتبار سے اب توجہ کو "مصارفِ ثمانیہ" پر مرکوز کر دیجئے' تو معلوم ہو گا کہ ان آٹھ مدوں میں سے چھ وہ ہیں جو معاشرتی بہبود کے ذیل میں آتی ہیں' یعنی فقراء' مساکین' غلاموں' مقروضوں اور مسافروں کی امداد و اعانت اور ان کاموں کے لئے متعین عملے کی تنخواہوں کی ادائیگی — اور بقیہ دو وہ ہیں جو اسلامی ریاست کے اصل نصب العین یعنی دنیا میں اسلام کی سربلندی کی جدوجہد کے ذیل میں آتی ہیں یعنی جہاد فی سبیل اللہ اور تالیفِ قلب! اس ضمن میں اگرچہ کوئی نسبت و تناسب معین نہیں ہے تاہم بغرض افہام و تفہیم یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی ریاست میں عشر' زکوٰۃ' صدقات' خمس وغیرہ ایسی عظیم مدات سے حاصل ہونے والی خطیر آمدنی کا لگ بھگ تین چوتھائی معاشرتی بہبود کے لئے وقف کیا جا سکتا ہے۔ گویا اسلامی ریاست میں اصل معین آمدنی ہے ہی یا شہریوں کی دنیوی فلاح و بہبود کے لئے جو اسلامی ریاست کے اہم ترین مقاصد میں سے ہے یا اسلام کی نشر و اشاعت اور غلبہ و استحکام کے لئے جو اسلامی ریاست کا اصل نصب العین ہے۔ اور اسلامی ریاست میں دوسرے انتظامی مصارف کے بارے میں تو خواہ سوچ بچار کرنا پڑے' معاشرتی بہبود کے کاموں کے لئے وسائل کی فراہمی کے لئے ہرگز کسی تگ و دو کی حاجت نہ ہو گی' بلکہ اس کے لئے ضروری فنڈز ہی نہیں بلکہ وافر وسائل مسلمانوں پر اللہ کی جانب عائد شدہ "عبادتوں" کی بجا آوری کے ضمن میں خود بخود حاصل ہو جائیں گے۔ گویا معاشرتی بہبود کے کاموں کے لئے جو رقوم حاصل ہوں گی ان کے بارے میں ادا کرنے والوں کا

(باقی صفحہ ۴۱ پر)